"فقہی اختلافات کی حقیقت اور نظریہ مراعات الخلاف"

شاہ محی الدین ہاشمی، ادارہ عربی و علوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اختلاف کا معنیٰ و مفہوم

اختلاف معنوی طور پر عدم مساوات یا "عدم اتفاق علی الشیئ" کو کہتے ہیں۔ یعنی حال، اقوال یا آراء میں دوسروں کے طریقے سے مختلف طریقہ اختیار کرنا[1]

اختلاف کی تعریف اصطلاح فقہاء میں یوں کی گئی ہے۔

"الاختلافُ بِالمعنَى الاصطِلاحی عِندَ الفقہاءِ یعنی الاختِلافُ فِی الآراءِ وَ النحل وَ الادیان وَ المعتقدات بِمَا یَسعَدُ الانسان بہ اَو یَشقی فِی الآخِرۃِ وَ الدُّنیا"[2]

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ فقہی اختلاف انہی مسائل اجتہادیہ میں واقع ہوتا ہے جن کے بارے میں نص قطعی موجود نہیں ہوتی۔

۱۔ اختلاف — ایک طبیعی لازمہ

اختلاف انسان کی خلقت و تکوین کے لوازم میں سے ہے جس طرح نوع انسانی اپنی شکل و صورت

---

[1] ابن منظور: لسان العرب: دار صادر، بیروت، ۲، ۹۱، د ت

[2] عبدالکریم زیدان: مجموعہ بحوث الفقہیہ (مکتبۃ القدس: بغداد: ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶م) ص ۲۷۴

اور اپنی رنگت میں ایک دوسرے سے مختلف ہے، بعینہ اسی طرح ہر انسان اپنی استعداد و رویئے، اپنی عقل اور اپنے ذہن و فکر جیسے امور میں اپنے ابنائے جنس سے کسی نہ کسی طور پر ضرور منفرد و مختلف ہوتا ہے۔ اس تنوع میں ربّ ذوالجلال کی آیات اور اس کی قدرت کاملہ کے دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ امت مسلمہ میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں اور جو ہمیشہ ہوتے رہیں گے وہ اسی فطری جذبے کے غماز ہیں اور ان کے پیچھے مشیتِ ایزدی کارفرما ہے۔ یہ فطری اختلافات اگر اپنی حدود سے متجاوز نہ ہوں اور ان کے اصول و آداب کا التزام و لحاظ کیا جائے تو یہ بہت ہی مفید اور نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رحمت قرار دے کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن یہی اختلاف اگر اپنے حدود سے تجاوز کر جائیں اور ان کے آداب کے لحاظ میں کوتاہی یا تساہل برتا جائے تو وہ جدل و شقاق کی شکل اختیار کر کے اُمّت میں تخریب اور انتشار پر منتج ہوتے ہیں

اختلافِ فقہاء کے اسباب

عہد نبوی میں فقہی اختلاف تقریباً عنقا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کے لیے مرجع تشریع ایک ہی تھا۔ یعنی آنحضورؐ بالاتفاق تمام صحابہ کے لیے مرجع و مآب اور احکام و مسائل کا سرچشمہ تھے۔ اختلافی امور میں آپؐ راہِ حق کی وضاحت فرما دیتے تھے اور اس طرح اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی تھی۔

لیکن صحابہ و تابعین و مابعد کے قرون میں اختلافِ عقول وجہاتِ نظر سے نصوص کی مراد کے فہم میں اختلاف رونما ہوا، جو کہ فقہائے کرام کے نزدیک ایک فطری اور طبعی امر تھا۔

فقہی اختلافات کے اسباب عموماً یہ رہے ہیں۔ ۱: لغوی تفاوت و تنوع۔ ۲: اصولِ استنباط۔ ۳: طریقِ استنباط۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ لغوی اختلاف کی حسبِ ذیل صورتیں ہیں۔

(ا) اشتراکِ لفظ

عبارت میں جب کوئی مشترک لفظ بلا قرینہ آئے عبارت اور اس لفظ کے متعدد معانی ہوں۔ تو ان میں سے ہر ایک کو معنی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں فقہاء کا اس مسئلے میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ آیا یہ لفظ سب معانی کے لیے عام ہے یا کسی ایک معنی کے لیے مخصوص ہے۔

مثلاً آیت "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ"[1] میں لفظ "القروء" ایک مشترک لفظ ہے، جس کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ اس لیے فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مطلقہ کی عدت حیض سے مانی جائے گی یا طہر سے۔" احناف کے ہاں عدت تین حیض ہے جبکہ شوافع کے ہاں تین طہر ہے"[2]

ii۔ حقیقت ومجاز :

اسی طرح بعض الفاظ حقیقت اور مجاز دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ اس لیے اس کے مدلول کے تعین میں بسا اوقات اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ کچھ اسے معنی حقیقی پر محمول کرتے ہیں اور کچھ معنی مجازی مراد لیتے ہیں۔ جیسے لفظ "المیزان" کا حقیقی معنی ترازو ہے، لیکن مجازاً یہ عدل کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔

iii۔ عموم وخصوص :

اسی طرح بعض الفاظ عموم وخصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اور اس طرح موجب اختلاف بن جاتے ہیں۔ جیسے آیت "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"[3] کو اگر عموم پر محمول کیا جائے تو مراد قیامت تک کے ما کان وما یکون کے اسماء کا علم ہوگا، اور اگر آیت کے مفہوم کی تخصیص کی جائے تو اس سے مراد لغات کا علم بھی ہو سکتا ہے، اسماء اللہ کا بھی، اور اسماء الاشیاء العلویہ یا سفلیہ بھی، جیسا کہ مفسرین نے تشریحات کی ہیں۔

iv۔ صیغہ امر ونہی :

علیٰ ہذا القیاس نصوص میں امر ونہی کس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کے وجہات نظر مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک صیغۂ امر مقتضی وجوب ہے اور صیغۂ نہی موجب تحریم۔ اور ان کے ندب اور کراہیت کی طرف انصراف کے لیے کسی قرینے کا ہونا ضروری ہے۔

---

[1] القرآن: ۲: البقرہ: ۲۲۸

[2] ابن قدامہ، المغنی مکتبہ الریاض الحدیثہ، ریاض، دت: ۷/۴۵۳

[3] القرآن: ۲: البقرہ: ۳۲

جبکہ اس کے برعکس دوسرے فریق کا دعویٰ ہے کہ امر میں اصل ندب اور نہی میں اصل مفہوم کراہیت ہے اور ان کا انصراف قرینہ کا متقاضی ہے۔

۲۔ اصول استنباط

اختلاف کی دوسری وجہ اصول استنباط میں تفاوت اور اختلاف ہے۔ مزید تفصیل اس طرح ہے۔

أ۔ روایت :

ا۔ علماء سلف کے اکثر فقہی اختلافات وثوق بالسنہ کے طریق اور ترجیح روایات کے میزان سے وابستہ ہیں۔

نامور اصولی عبدالوہاب خلاف نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"فمجتهدُوا العِراق أبوحنيفةَ وَ اصحابهُ يحتجونَ بالسُّنَّةِ المتواتِرَةِ وَالمشهورة وَيَرجحون مَايَرويهِ الثقات مِن الفقهاءِ وَ لهٰذا قَالَ ابويُوسُف ، عَلَيكَ ماعَلَيْه الجماعَةُ مِن الحديث وَمَا يَعرِفُه الفقهاء ۔ مُجتهدوا المَدينةِ ، مالك واصحابُهُ يَرجحون ما عليه أهل المدينةِ بدون اختلافٍ وَ يتركونَ مَاخالفهُ مِن اخبار الآحاد ۔ وَباقي الائمةِ يحتجون بما رواهُ العدُول الثقات مِن الفقهاءِ وَغير الفقهاء ، وَافقَ عمل أهل المدينة أوخَالَفَهُ"[۱]

ب۔ حنفیہ، حدیث مشہور کو حکم متواتر میں سمجھتے ہیں اور اس سے قرآن کے عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید کر لیتے ہیں جب کہ دیگر فقہاء کے ہاں ایسا نہیں ہے۔

ج۔ (ایسی حدیث مرسل، جس کو صحابی، امر رسول اللہ بکذا، یا نہیٰ عن کذا جیسے الفاظ سے روایت کرے، کی حیثیت کے تعین میں بھی رجال تشریع مختلف ہیں۔ بعض اس سے احتجاج کے قائل ہیں اور بعض نہیں)۔

د۔ بعض اوقات مجتہد کسی روایت کو اس لیے رد کر دیتا ہے کہ اسے جس سلسلہ اسناد سے روایت

---

[۱] عبدالوہاب خلاف : خلاصۃ تاریخ التشریع الاسلامی : دار القلم، کویت : ط، ۹، ۱۹۷۱م - ۱۳۹۱ھ : ص ۷۳

پہنچی ہوتی ہے اس میں کوئی راوی مجہول یا متہم یا ضعیف الحافظہ ہوتا ہے یا وہ حدیث منقطع یا مرسل ہوتی ہے جبکہ دوسرے مجتہد کو وہی روایت صحیح سند سے موصول ہوتی ہے اور یہ صورت حال اختلاف آراء پر منتج ہوتی ہے۔

۵۔ فقہاء کے مابین بسا اوقات حدیث کے معانی و مفاہیم کی تعیین میں اختلاف ہو جاتا ہے جیسے روایات بیوع میں مذکور الفاظ "مزابنہ"، "مخابرہ"، "محاقلہ"، "ملامسہ"، "منابذہ" اور "غرر" کی مراد کے بیان میں فقہاء مختلف ہیں۔

۶۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی مجتہد کے پاس حدیث اپنے متعلقہ واقعہ کے ساتھ پہنچتی ہے جب کہ دوسرے تک وہ حدیث اس طرح نہیں پہنچتی۔ جس سے اکثر دونوں کے اخذ کردہ مفہوم میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

۷۔ کبھی کوئی مجتہد ایسی نص پا لیتا ہے جو کسی حدیث کے لیے ناسخ ہوتی ہے، یا اس کے عموم کی تخصیص کر دیتی ہے یا اس کے اطلاق کی تقیید کر دیتی ہے اور دوسرے کو ان میں سے کوئی چیز معلوم نہیں ہو پاتی اس لیے دونوں کا مسلک اس مسئلہ میں الگ الگ ہو جاتا ہے۔

۸۔ حدیث کو بحیثیت حجت شرعیہ ملزمہ تسلیم کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں، نیز یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ اجتہاد بالرأی، فیما لا نص فیہ کے لیے حجت شرعیہ ہے تاہم روایات سے استنباط احکام کے سلسلے میں فقہاء نے دو اسلوب اختیار کئے ہیں۔

حنفیہ نے مقاصد شارع اور ان اساسی امور کو مطمح نظر بنایا جن پر تشریع کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جملہ احکام شرعیہ کے پیچھے انسانی مصالح کے اسباب و علل کار فرما ہیں جن کی وجہ سے ان کی تشریع ہوئی ہے۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے نصوص کو سمجھا، بعض کو بعض پر ترجیح دی اور جن امور میں نص وارد نہیں ہوتی وہاں استنباط سے کام لیا۔

فقہاء حجاز کا طرز عمل یہ رہا کہ انہوں نے حفظ احادیث و فتاویٰ صحابہ کو مطمح نظر بنایا اور تشریع احکام میں ان آثار کو "حسبما تدل علیہ عبارتھا" ہی سمجھا اور علل احکام سے قطع نظر انہیں دیگر حوادث پر منطبق کیا۔ اگر وہ نص کے (مزعومہ) مفہوم کو خلاف عقل بھی پاتے تو اس کی پرواہ کئے بغیر یہ کہہ دیتے کہ یہ تو نص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اجتہاد بالرأی کو صرف ضرورۃ قصوی کے وقت میں استعمال کیا ہے۔

مثلاً حدیث نبوی "إنَّ فی کلِّ اربعینَ شاۃٍ شاۃٌ وَإنَّ صَدَقةَ الفِطرِ صَاعٌ مِن تَمرٍ أو شعیرٍ، وَان مَن رَدَّ الشاۃَ المُصَراۃَ بَعدَ اِختِلاَبِ لبَنِهَا رَدَّ معهَا صَاعًا مِن تَمرٍ"[1] سے حنفیہ نے یہ سمجھا کہ چالیس بکریوں کی زکوٰۃ شاۃ واحدہ یا "مایعادلہا" ہے، صدقہ فطر صاع تمر یا مایعادلہا ہے اور لبن محتلب کا ضمان اس کے مثل یا اس کی قیمت سے ادا ہوگا۔ یعنی اگر کوئی اپنی زکوٰۃ قیمت شاۃ سے ادا کرے یا قیمت صاع کو صدقہ کرے یا لبن مصراۃ کا ضمان قیمت میں ادا کرے تو جائز ہوگا کیونکہ یہاں مقصود نفع فقراء اور تعویض مالِ متلف ہے۔

فقہاء حجاز اس روایت کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں اور علت تشریع سے بحث نہیں کرتے، نہ ہی علل معقولہ کی مراعات میں کوئی تاویل کرتے ہیں۔ وہ اس حدیث کی روشنی میں شاۃ اور صاع کو بخصوصہا واجب قرار دیتے ہیں اور قیمت کے جواز کے وہ قائل نہیں ہیں۔

ii - فتاوی صحابہ :

صحابہ کے فتاوی اجتہادیہ میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف فتاوی صحابہ کو علی الاطلاق حجت مانتے ہیں جبکہ شوافع کہتے ہیں کہ صحابہ غیر معصومین ہیں، ان کے فتاوی اجتہادیہ بھی مثل غیر ہیں اس لیے انہیں اخذ بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی۔

iii - قیاس :

شیعہ اور ظاہریہ کے بعض مجتہدین تو سرے سے احتجاج بالقیاس ہی کے منکر ہیں اور اسے مصدر للتشریع نہیں مانتے[2] جمہور ائمہ اگرچہ قیاس کو قرآن وسنت اور اجماع کے بعد اسے مصدر تشریعی مانتے ہیں تاہم ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا قیاس علت للحکم ہونے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے یا نہیں؟

۲- طریق استنباط

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ کتاب وسنت کی جملہ نصوص قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض ظنی الدلالۃ بھی ہیں۔ اب چونکہ انسان مراتب فہم میں باہم متفاوت ہوتے ہیں اس لیے جب نصوص کی دلالت ظنی ہو تو اس صورت

---

[1] صحیح مسلم بشرح النووی، دار احیاء التراث العربی بیروت: ۷: ۱۶۵، ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء۔

[2] ایسے حضرات "نفاۃ القیاس" کے نام سے مشہور ہیں۔

میں تعدد آرا کا ظہور ایک بدیہی امر ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

"وَقد يقصر فهم اكثر النّاس عن فهم مَا دَلّتْ عليه النصُوصُ، وَعَنْ وَجه الدلالةِ وموقعها۔ وَتفاوت الأئمة فى مَراتب الفهم عَنِ اللهِ وَرَسُولِه لا يحصيه الا الله"[1]

فقہی اختلافات کی نوعیت

فقہی اختلافات کے یہ اہم اور نمایاں اسباب ہیں جنہیں علی وجہ الاختصار بیان کیا گیا ہے[2]۔ ان اسباب کی روشنی میں یہ چیز بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ فقہاء کا اختلاف ذاتی بنیادوں پر نہیں تھا بلکہ یہ اختلاف ان فطری صلاحیتوں کے تنوع پر مبنی تھا جنہیں حق جل شانہ نے بندوں میں ودیعت فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ وغیرہ اکابرِ امت نے کبھی حق وصداقت کی تحدید کسی فرد واحد سے نہیں کی بلکہ سب کو حق کا علمبردار سمجھا۔ انہوں نے فقہی اختلاف کو بعینہ ایسے سمجھا جیسا کہ قرأت السبع کا اختلاف ہے، یا جیسا کہ متکلمین میں بعض جزئی مسائل میں اختلاف ہے یا اس اختلافات کی مانند سمجھا جو اربابِ قلوب ومعرفت میں قدرتی طور پر پیدا ہوئے۔ اسی بنا پر مولانا اسمٰعیل شہید نے اپنی کتاب عبقات میں لکھا ہے کہ:

"فمَنِ اتبعَ وَاحِدًا مِنهُم فَازَ بِالمقصُودِ"[3]

حضرت گنگوہی نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ:

"مذاہب سب حق ہیں۔ مذہب شافعی پر عند الضرورت عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں مگر نفسانیت سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ سب مذاہب کو حق جانے اور کسی پر طعن

---

[1] شمس الدین ابن قیم: اعلام الموقعین۔ مطبعۃ دار السعادۃ: مصر: مطبوعہ ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء ۱/۳۳۲

[2] عموماً یہاں بیان امثلہ سے احتراز کیا گیا ہے اور صرف بنیادی امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تفصیلات کے لیے کتاب نزہتہ الاولیاء: ص ۳۹۲ نیز دائرۃ معارف القرآن العشرین ج ۴، ص ۱۴۱ ملاحظہ کیا جائے۔

[3] سید مناظر احسن گیلانی: تدوین فقہ: مکتبہ رشیدیہ: لاہور: ۱۹۷۶ء-۱۳۹۶ھ: ص ۲۳۲ بحوالہ عبقات ص ۱۷۴

نہ کرے۔ سب کو اپنا امام مانے[1]

ان اقوال کی روشنی میں اختلاف ائمہ کی نوعیت خود ہی متعین ہو جاتی ہے۔

نظریہ مراعات الخلاف

جیسا کہ اس سے قبل بھی ذکر ہو چکا کہ قرآن و سنت کی جملہ نصوص قطعی الدلالہ نہیں ہیں۔ فقہاء کے مابین عموماً اختلاف بھی اس وقت ہوتا ہے جب نص کی دلالت ظنی ہو (یا نص کا وجود ہی نہ ہو)۔

کسی دلیل میں جب تک گنجائش اور لفظ میں جب تک احتمال باقی رہے اس وقت تک نص سے کسی ایک فقیہ کے اخذ کردہ مفہوم کے خلاف کسی دوسرے فقیہ کے اختیار کردہ مفہوم کا رد و انکار نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت اسلامیہ میں بے شمار ایسے فروعی و عملی احکام ہیں جن کا ثبوت ظنی طریقوں سے ہے اور یہ خود شارع حکیم کی طرف سے اعتباراً اور رعایۃً لمصالح العباد ہے۔ فقہاء امت نے تسلیم کیا ہے کہ فقہی اختلافات کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے گنجائش و وسعت اور تخفیف و سہولت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

امام شاطبی نے علماء کا قاعدہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایسا معاملہ جس کے فساد میں اختلاف ہو، اس کے ساتھ علماء وہ طریقہ عمل اختیار نہیں کرتے جس کے فساد پر اتفاق ہو"[2]

قبل اس کے کہ "مراعات الخلاف" کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر میں امت کے فقہی رجحانات کا سرسری جائزہ لے لیا جائے تاکہ نظریہ "مراعات الخلاف" کی ضرورت فی زمانہ مزید واضح ہو جائے۔

دورِ حاضر اور فکری جمود

امت مسلمہ کے لیے یہ حقیقت بہت بڑے المیے کا درجہ رکھتی ہے کہ گزشتہ کئی قرون سے فقہ کے میدان میں مسلمانوں کی فکری تحریک رک چکی ہے۔ لوگ محض اقوال و مسالک ائمہ کی نقل اور ان کے دفاع اور ان سے تفریع و تخریج پر ہی قناعت کرنے لگے ہیں۔ اجتہاد کا درخت تقریباً خشک ہو چکا ہے اور عقول و افکار بے برگ و بار ہو گئے ہیں۔ لوگوں کی نظر میں فقیہ عالم وہ ٹھہرا ہے جو فقہاء کے زیادہ سے زیادہ اقوال و آراء کو ذہن میں محفوظ رکھے خواہ ان میں سے قوی اور ضعیف مسائل میں امتیاز بھی نہ کر سکتا ہو اور محدث وہ کہلانے لگا ہے جو صحیح و ضعیف

---

[1] رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ: مطبع سعیدی، کراچی، ون: ص ۴

[2] علامہ شاطبی الموافقات: دار المعرفۃ، بیروت، دت، ج ۴، ص ۷۶

احادیث کا حافظ ہو۔

اس صورت حال پر اظہار تأسف کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ نے لکھا ہے۔

"وَلكن الذی نَراه، عَلیٰ کُرہٍ وَاسفٍ شدید مِنا، هُوالتقلیدُ، وَالتقلید فقط، هُو لجمود الذی أصابَ الفقهَ مُنذ قرونٍ عَدیدَہٍ طَویلَةٍ، وَکُلّ قصارانا هو العُکوُفُ علیٰ تراثِ الماضِینَ، نَدورمِنه فی حلقه مفرغةٍ دوُنَ ان نَعنی بتنمیَتهِ وَتطویرہِ لِیکوُنَ مِنه حُلوُل لمشاکلِ العَصرِ" [۱]

ایک اور فقیہ اسلامی نے دور حاضر کا قرون خیر سے تقابل کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ:

"اِنّ الأبحَاثَ الفِقهیةَ فِی الشّریعَةِ الِاسلامِیَةِ ظَلّتْ عِدّةَ قُرُونٍ مُزدَهِرةً إزدِهَاراً لانظیرلهٗ فی أرجَاءِ العَالمین، وَالتّراث الضّخم الذِیٔ خَلفَهٗ الأسلاَفُ الوَاعونَ فی هٰذا المِضمارِ یَدلّ علی التّجارِ فِی المَعرِفَةِ، وَأصَالَةٌ فِی النظرِ وَالاستِدلاَل وَ بَراعَةٌ فِی القیاس وَالتخریج۔ ثم رَکَدَت تاریخ الفقهِ وَنشأ علماء مُقلّدونَ ثم انقضی أصحابُ هٰذا العِلمِ التقلیدی، وَأتی بَبغَاواتُ تردِدُمَا لاتعقِل ومرتِ فترة عصبیة بالفقه الاسلامی فَإذا هُوطریحٌ فی زوَایا الاِهمَالِ" [۲]

امت کے ارباب حل وعقد پر تو یہ لازم تھا کہ وہ فقہ اسلامی کو ہر دور اور زمانے کے لیے ایک زندہ اور متحرک قانون کی شکل دیتے، بجائے اس کے انہوں نے دائرۂ جمود کو مزید تنگ کرتے ہوئے کسی فقیہ واحد کی آراء کی ہی تقلید پر اکتفاء کر لیا۔

مصنف کتاب الاسلام وتقنین الاحکام لکھتے ہیں:

---

[۱] الدکتور محمد یوسف موسیٰ: تاریخ الفقہ الاسلامی، ص ۱۸ طبع مصر ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۸ء

[۲] عبدالرحمٰن عبدالعزیز قاسم: الاسلام وتقنین الاحکام فی البلاد السعودیہ، مطبعۃ المدنی، السعودیہ: ط ۱: ۱۳۸۶ھ - ۱۹۶۶م: ص ۲۲۵

"وَكَانَ الأَولىٰ أن يَنْظُرَ فِي كلّ رأى بِدَ ليْلِهِ و حُجِجِهِ وَمَدىٰ قُوّتِهَا أو ضُعْفِهَا، دُونَ إعتِدادٍ شخصّيَةٍ صاحبه، وَبَعدَ النظر والدرس بقدر مَا اذا كانَ صالحًا لِلتطبيق وَفقَ الظروف المُعَاصرة أم لا، مع وجوب الاعتقادِ، أن مَا وَصل اليه الفقيه بهذا الترجيح، أو بهذا الاجتهاد هُوالحقُ الذي يحتمل الخطأ، وَأن مَا وصلَ اليه غيرهُ هُوخطا يحتمل الصَّوابَ"[1]

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ مسائل اجتہادیہ میں ہدی اللہ کی تلاش کے بجائے مشاہدے میں یہ آتا ہے کہ عوام تو خیر الگ رہے علماء تک میں عموماً اس قدر غلو در کر آیا ہے کہ وہ اپنے فرقہ کے علماء اور اپنے متعین امام پر اس طرح جامد اور اس کی عصبیت میں اس طرح اسیر ہیں کہ اس سے باہر ان کے لیے حق و صداقت کا تصور بھی دشوار ہے۔ بعض غالی تو یہاں تک کرتے ہیں کہ نصوص کتاب وسنت کی قطع و برید پر پورا زور صرف کر ڈالتے ہیں لیکن اپنے امام کے کسی قول پر حرف نہیں آنے دیتے کہ یہ آیت لازماً ہمارے امام کے سامنے ہوگی۔ اگر ان کے امام کسی مسلک پر ہوں تو اس کا غلط ہونا ناممکن تصوّر کرتے ہیں، اور اگر وہ کسی مسلک کے ساتھ نہیں ہیں تو اس کی صحت کتنے ہی دلائل جمع کر لیے جائیں وہ ان سے مطمئن نہیں ہوں گے، جو عصبیت اللہ اور اس کے رسول کے طریقے کے لیے مطلوب ہے وہ عصبیت ان کے اندر اپنے شیوخ و اکابر کے لیے ہے[2] گویا ان کے نزدیک:

رند جو ظرف اُٹھالیں وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

فقیہ واحد کے مذہب پر اکتفاء کی حیثیت متعین کرتے ہوئے مصنف کتاب "الفوائد العدیدہ فی مسائل المفیدۃ" لکھتے ہیں:

"وَلا يَلزمُ أحَدًا ان يَتَمذهبَ بمذهَبِ رَجُلٍ منَ الأمةِ،

---

[1] الاسلام وتقنين الاحكام الخ ص ۲۲۷

[2] امین احسن اصلاحی۔

بحیث یأخذُ باقوالہٖ کُلھا وَیدعُ اقوالَ غیرہٖ، وھٰذہٖ بِدعۃٌ قبیحۃٌ حدّیثۃٌ فِی الامۃِ لم یقل بِھا أحدٌ مِن أئمۃِ الإسلامِ وَھُم أعلیٰ مرتبۃً وَاجلّ قدرًا[1]۔

مراعات الخلاف کی ضرورت واہمیت

"مراعات الخلاف" کا نظریہ اگرچہ اپنے اندر اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ فقہ اسلامی میں، جو کہ ایک بند تالاب کے پانی کی طرح ساکن وجامد ہو چکی ہے، متلاطم سمندر کا سا جوش پیدا کر سکے اور اسے اس قابل بنا دے کہ وہ طوفانوں کی طرح ہر پست وبلند پر چھا جائے تاہم اس کی ضرورت وافادیت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

"مراعات الخلاف" کے نتیجے میں دو بنیادی امور کا ظہور ہوتا ہے جو اس نظریہ کی اہمیت وافادیت کی خود دلیل ہیں۔

۱۔ تخفیف للأمۃ ۲۔ انطباق الاسلام (بلا قید الزمان والمکان)

۱۔ تخفیف للامۃ

روایت منسوب الی النبیؐ "إختلاف امتی رحمۃ" کی حیثیت ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک جو بھی ہو، اس کی معنوی صحت میں بہر حال شبہ نہیں ہو سکتا[2]۔

---

[1] الشیخ احمد المنقور النجدی: الفواکۃ العدیدۃ فی مسائل المفیدہ: المکتب الاسلامی: دمشق ط، ۷: ۱۳۸۰ھ ج ۲: ص ۱۵۵/۱۵۶ -

[2] بعض ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھا ہے تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو المقاصد الحسنۃ للسخاوی تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث لابن الربیع الشیبانی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی ج ۱ ص ۲۱۲ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للشیخ محمد ناصر الدین الالبانی ص ۷۶

اس مقام پر امام سبکی کے قول پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ لیس معروفًا عند المحدثین ولم اقف لہ علی سند صحیح او ضعیف ولا موضوع، ولا اظن لہ اصلاً إلا أن یکون من کلام الناس بأن یکون احد قال، اختلاف امتی رحمۃ فاخذہ بعضھم فظنہ حدیثا فجعلہ من کلام النبوۃ" روح المعانی للالوسی ج ۴ ص ۲۴

اکابرینِ امت نے بھی ہمیشہ ہی اسے پسند اور قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔
قاسم بن محمد ابن ابی بکر کا قول علامہ شاطبی نے یوں نقل کیا ہے:
"لقد نفع اللہ باختلافِ أصحاب النبی فی اعمالِھم لا یعمل العامل بعمل رجل منھم الا رای انّہ فی سعۃ ورای ان خیراً منہ قد عملہ. ایُّ ذالک اخذتَ بل لم یکن فی نفسک منہ شیء" [۱]

اختلاف کی ضرورت و اہمیت کے اسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:
"لو اجتمعوا علیٰ شئ فترکہٗ ترک السُّنۃ ولو اختلفوا فأخذ رجل" بقول احدٍ اخذ السُّنّۃ" [۲]

غرض اختلاف ائمہ میں امت کے لیے تخفیف اور سہولت کا پہلا موجود ہے لیکن اس کا حصول تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب اختلاف کی رعایت کی جائے اور بوقت احتیاج اختلاف کے کسی پہلو کو ترجیح دینے کی کوشش کے بجائے اس پہلو کو لیا جائے جس میں درپیش مشکل کا آسان حل موجود ہو۔

مشہور عالم و صوفی علامہ عبدالوہاب شعرانی کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ "اختلافی مسائل کے دونوں پہلوؤں میں غور و فکر کرنا چاہیے، یقیناً عمل کرنے والوں کے لیے ان میں کوئی پہلو نسبتاً ذرا دشوار ہوگا اور کوئی آسان وسہل۔ اسی طرح عاملین میں بھی بعض قوی ہوتے ہیں اور بعض ضعیف۔ پس دشوار پہلو کے متعلق سمجھا جائے کہ اس کا تعلق اقویار سے ہے اور سہل پہلو کے بارے میں سمجھا جائے کہ اس کا تعلق ضعفار سے ہے" [۳]

اسی مسئلے کی وضاحت ایک مثال کی روشنی میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"مالی حیثیت سے جو ضعیف اور کمزور ہو، چاہیے کہ وہ اس پہلو کو اختیار کرے کہ دباغت سے مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے، ورنہ ایک تو غریب کی بکری بھی مر گئی اب کھال سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا تھا، اس سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ لیکن جسے خدا نے ثروت و دولت دی ہے اس کی ضرورت مردار کی کھال

---

۱ الموافقات: ۴ / ۵۹
۲ تدوین فقہ: ص ۱۶۶ بحوالہ سنن دارمی: ۱ / ۵۱
۳ تدوین فقہ: ص ۱۸۰ بحوالہ میزان الکبریٰ للشعرانی

کے بھیجنے پڑ لگی ہوئی نہیں ہے، اس لئے اسے چاہیے کہ وہ عدم طہارت کے ہر پہلو کو اختیار کرے؟[1]

امام شعرانی اختلاف ائمہ کی پسندیدگی اور اس کی مراعات کرتے ہوئے اخذ سہولت کے اس قدر قائل تھے کہ وہ اکثر سفیان ثوری کا یہ فقرہ نقل کرتے کہ:

"لا تقولوا اختلفَ العلماءُ في كذا وقولوا قد وسّعَ العلماء على الأمّةِ بكذا"[2]

صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ کا طریقہ بھی ایسا رہا ہے کہ وہ باوجود نماز سے متعلق مسائل میں باہم مختلف ہونے کے ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ یہ اختلافی مسائل میں وسعت وسہولت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے مسلمان بسم اللہ پڑھتے تھے اور نہیں بھی پڑھتے تھے، اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ جیسے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقاء و اصحاب اور (امام) شافعیؒ وغیرہم مالکی ائمہ کی اقتدا میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ زور سے یا آہستہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (امام) ابویوسف نے رشید کے پیچھے نماز پڑھی جس نے پچھنا لگوا رکھا تھا اور اس کا اعادہ نہیں کیا۔ کیونکہ امام مالک نے اس سے وضو واجب نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے امام احمد ابن (حنبل) کے یہاں نکسیر پھوٹنے اور پچھنا لگوانے سے وضو واجب تھا، ان سے کسی نے پوچھا، اگر امام کے بدن سے خون نکل جائے اور وہ وضو نہ کرے تو کیا میں اس کے پیچھے نماز پڑھ لوں؟ آپ نے جواب دیا سعید ابن المسیب اور مالکؒ کے پیچھے تم نماز کیوں نہیں پڑھو گے؟"[3]

غرض اختلاف کی صورت میں تخفیف وسہولت کا پہلو موجود تھا تبھی تو ان حضرات نے مراعات الخلاف

---

[1] تدوین فقہ: ص ۱۸۰، بحوالہ میزان الکبری للشعرانی

[2] تدوین فقہ: ص ۲۱۷، بحوالہ میزان الاعتدال للشعرانی: ص ۲۱

[3] (ترجمہ و تلخیص از) الفواکۃ العدیدہ فی مسائل المفیدہ: ۲/ ۲۱

سے کام لیا۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پچھنے لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کے باوجود انہوں نے ہارون الرشید کے پیچھے نماز پڑھی اور اعادہ نہیں کیا حالانکہ ہارون نے پچھنے لگوائے ہوئے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے مالکیہ کے اختلاف کی رعایت اس لیے کی کہ ان کے نزدیک اختلاف کی صورت میں امت کے لیے تخفیف کا راستہ موجود تھا۔

۲۔ انطباق الاسلام

اسلام نے آج تک اپنے کو مختلف اقوام و امم اور ممالک و اقالیم پر ہر عہد اور ہر زمانے میں جن وجوہ سے منطبق پایا ہے ان میں ایک بڑا عنصر فقہی اختلافات بھی ہیں۔

مثلاً قرآن میں ماکولات کے مسئلے پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے اور پھر حضور اکرمؐ کی ایک امتیازی صفت بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ:

"وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ"[۱]

حضور اکرمؐ نے اس اجمال کی تفصیل کرتے ہوئے کچھ کلیاتی اشارے فرمائے جنہیں سامنے رکھ کر ائمہ اجتہاد نے احکام کا استنباط کیا، نتیجۃً فقہاء میں اختلاف پیدا ہوا۔

امام مالکؒ کا نقطۂ نظر باب ماکولات میں خاصا وسیع رہا ہے، خصوصاً آبی حیوانات کے متعلق ان کا فتویٰ ہے:

"لَا بَأْسَ بِأَكْلِ جَمِيعِ حَيَوَانِ الْبَحْرِ"[۲]

اسی طرح حشرات الارض یا اسی طرح کے دیگر جانور مثلاً مینڈک، کیکڑے، کچھوے وغیرہ کی اباحت یا زیادہ سے زیادہ کراہیت کا قول مالکیوں سے منقول ہے۔

اس اختلاف کے پیش نظر یہاں یہ امر قابل نظر ہے کہ ایسے علاقے جہاں صرف مچھلیوں پر یا دیگر آبی حیوانات پر گزر اوقات ہوتی ہے یا جن ممالک میں مینڈکیں وغیرہ ایک لازمی غذائی اجزاء کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں وہاں کے لوگ اگر مسلمان ہونا چاہیں تو وہ قاعدہ مراعات الخلاف پر عمل کرتے ہوئے مالکی مذہب کی ماکولاتی وسعتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

---

[۱] القرآن : ۷ (الانعام) ۱۵۷

[۲] ابن رشد : بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد : دار الکتب الحدیثۃ : قاہرہ : ۱۳۹۵ھ - ۱۹۷۵م ۳۸۲/۱

غرض یہ اور ان جیسی بے شمار ایسی صورتیں ہیں جن میں اگر ایسے حضرات کے فتوے اور مشورے سے جو کتاب وسنت کی روشنی میں روح اسلام، اس کے مقاصد و قواعد کلیہ اور مراتب احکام وغیرہ کی فہم کا ملکۂ تامہ رکھتے ہوں اور مسائل شرعیہ میں خود تحقیق کی قابلیت رکھتے ہوں، مراعات الخلاف کے قاعدے پر عمل کیا جائے تو فقہ اسلامی میں کافی وسعت، اور مسائل کی انطباقی صلاحیت میں خاصا اضافہ ہو جائے۔

مراعات الخلاف کی ضرورت و اہمیت۔ مثالوں سے وضاحت

اسلام کے فقہی ذخائر میں کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک مسلک کے فقہاء نے بوقت ضرورت دوسرے فقہاء کے مسلک پر عمل کرنے کا مشورہ دیا۔ یہاں صرف چند مثالوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

أ ۔ امام مالک نکاح بدون ولی کے فساد کے قائل ہیں۔ ایسا نکاح ہو جانے کی صورت میں عورت اصولاً مہر اور شوہر کے ترکے سے محروم ہو رہی تھی، لیکن اس محرومی کی بنیاد جس مسئلے پر قائم ہے وہ چونکہ اتفاقی نہ تھی بلکہ امام ابو حنیفہ کا اس میں اختلاف تھا اس لیے رعایۃً للخلاف مالکیہ نے عورت کا حق مہر و میراث اسے واپس دلا دیا۔ اس مراعات سے نہ صرف اس عورت ہی کا فائدہ متعلق رہا بلکہ بقول علامہ شاطبی :

"وَمِثْلُهُ جَاءَ فِي عُقُودِ الْبَيْعِ وَغَيْرِهَا فَلَا يُعَامِلُونَ الْفَاسِدَ الْمُخْتَلَفَ فِي فَسَادِهِ مُعَامَلَةَ الْمُتَّفِقِ عَلَى فَسَادِهِ"[1]

أأ ۔ جس جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو، یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلے نہ کرتا ہو تو اس صورت میں فقہ حنفی کے مطابق عورت کی علیحدگی کے لیے بغیر خاوند کی طلاق وغیرہ کے کوئی صورت نہیں اور حتی الوسع لازم ہے کہ عورت خلع وغیرہ کی کوشش کرے۔

لیکن اگر خاوند نہ ماننے یا بوجہ مجنون یا لاپتہ ہونے کے اس سے خلع وغیرہ ممکن نہ ہو تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے مطابق دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کرنے کی گنجائش ہے کیوں کہ "مالکیہ کے مذہب میں قاضی نہ ہونے کی صورت میں جائز ہے کہ محلہ کے دیندار مسلمانوں کی جماعت جن کا عدد کم از کم تین ہو پنچایت

---

[1] الموافقات : ۴ / ۴۷

کرے اور واقعہ کی تحقیق کرکے شریعت کے موافق حکم کر دے تو یہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے[لہ]

۱۱۱ - مفقود کو باتفاق جمہور ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارے میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے جب تک اس کے ہم عمر ہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں۔ جس وقت اس کی بستی میں اس کے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جاتا ہے اور میراث تقسیم کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ اس پر ائمہ ثلثہ کا اتفاق ہے۔ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک قاضی اس سے قبل بھی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے جب کہ مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت و موت کا غالب گمان ہو جائے تو اتنا انتظار کرکے موت کا حکم دے دیا جائے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غلبۂ ظن ہو جائے اور حکم بالموت کے بعد اس کی زوجہ کو عدت وفات گزار کر نکاح کر لینا جائز ہو جائے گا۔

اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجۂ مفقود کے لیے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کر دے اور بعد ازاں عورت عدت وفات گزار گزار کر نکاح کرے۔

لیکن " امام مالک نے چند شرائط کے ساتھ مفقود کی بیوی کو حکم حاکم کے بعد چار سال انتظار کرکے عدت گزرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ نیز امام احمد نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے "[لہ]

متاخرین حنفیہ* نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامی نے قہستانی کا قول یوں نقل کیا ہے کہ:

" لَوْ اَفْتٰی بِهٖ فِیْ مَوْضِعِ الضَّرُوْرَةِ لَا بَأْسَ بِهٖ عَلٰی مَا اَظُنُّ "[۲]

حضرت تھانویؒ نے مراعات الخلاف کی کئی مثالوں کو اپنی کتاب " الحِیلَةُ النَّاجِزَہ " میں ذکر

لہ ابن قدامہ: المغنی، مکتبہ الریاض الحدیثہ، ریاض، دت: ۲ / ۱۴۳

★ متاخرین کا اطلاق چوتھی صدی اور اس کے بعد کے لوگوں پر کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ مسئلہ مذکورہ میں علامہ قہستانی و مابعد کے حنفیہ مراد ہیں قہستانی کی پیدائش ۳۵۳ھ ہے۔

۲ علامہ شامی: رد المحتار علی الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت، دت: ۳ / ۵۱

کیا ہے اور ان پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔

تقلید مذہب غیر کی اجازت اور اس کی شروط

علامہ شامی نے "رسالۃ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی" میں ذکر کیا ہے کہ

"ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کے وقت مذہب غیر کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دے دینا بھی جائز ہے۔ لیکن جہاں شدت ضرورت کا تیقن نہ ہو وہاں مذہب غیر کی تسہیلات سے کام لینا صحیح نہیں ہے۔"[1]

مذہب غیر پر عمل کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع نہ ہو۔ اس شرط پر صاحب درمختار نے اجماع نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

إنَّ الحُکمَ المُلفِقَ بَاطِلٌ بالإجمَاعِ[2]

علاوہ ازیں مراعات الخلاف کا مسئلہ کافی نازک سا ہے۔ شدت ضرورت اور ابتلاء عام کا معیار کیا ہو؟ نیز تلفیق اجماع کہاں لازم آتا ہے؟ ان چیزوں کا صحیح علم اور ادراک علماء اہل بصیرت ہی کر سکتے ہیں۔

اسی بنا پر ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

تقلید مذہب غیر کی عامی کو اجازت دینے میں تلاعب بالدین ہے کہ آج اس کے مذہب میں سہولت دیکھی اس پر عمل کر لیا، کل دوسرے کے مذہب پر۔

اور تقلید مذہب غیر کا منشا تتبع رخص ہو اتفاقاً حرام ہے۔ یہ منصب علماء کا ہے کہ وہ مسائل کی حالت دیکھ کر جب تقلید مذہب غیر کی ضرورت محسوس کریں تو اس کی اجازت دے دیں۔[3]

کسی مذہب پر فتویٰ دینے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام کے نزدیک جو شروط و قیود عائد ہوں، ان کی صحیح طور سے رعایت کی جائے۔

اس لیے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ مراعات الخلاف کی صورت میں فتویٰ بھی اسی مذہب کے ارباب فتویٰ سے لیا جائے جو ان شروط و قیود سے بہتر طور پر آگاہی رکھتے ہوں۔

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی: الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ: ص: ۶۵

[2] ایضاً: ص: ۶۶

[3] مولانا ظفر احمد عثمانی: امداد الاحکام: مکتبہ دار العلوم کراچی: و ت: ص ۸۲

خاتمہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و دانش کی بدولت ہی صاحبِ فضیلت کہا ہے۔ انسانی عقل کا تنوع اور اس کی موشگافیاں اگر تعدادِ آراء اور تعدادِ مذاہب کو جنم دیں تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہ ہوگی بلکہ اسے ایک فطری تقاضا شمار کیا جائے گا۔ لیکن یہ امر یقیناً انتہائی تعجب انگیز ہے کہ کسی ایک فردِ معین کی فقہی آراء کے مجموعے کو ہی صحیح سمجھتے ہوئے اس کے التزام کو ضروری سمجھا جائے اور باقی سب آراء کو غیر صحیح یا مخالفِ نصوص والسنۃ سمجھتے ہوئے مطلقاً نظر انداز کر دیا جائے۔

کوئی بھی تشریع چاہے سماوی ہو یا وضعی، اس کا بنیادی ہدف ہی مصلحت عامہ اور حاجاتِ امت کے مقتضیات کی موافقت ہوتا ہے۔ تقلیدِ شخصی کا قلادہ گلے میں ڈال کر یہ ہدف بخوبی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

تقلیدِ شخصی ایک انتظامی ضرورت ہے اور بس۔ اس ضرورت کو اصولاً بھی بقدرِ ضرورت ہی اختیار کرنا چاہیے۔

مراعاۃ الخلاف کے قاعدے پر غور و فکر سے یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ اس قاعدے کی افادیت وضرورت اپنی جگہ ضرور مسلم ہے تاہم فقہ اسلامی کو درپیش مسائل کے حتمی حل کے طور پر غالباً اسے نہیں پیش کیا جا سکتا۔

بنیادی ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن وسنت کو بنیادی ماخذ بنا کر نیز فقہاء امت کے قیمتی افکار و تجربات کی روشنی میں، مقاصدِ شریعت اور مصالحِ عامہ کو بنیاد بناتے ہوئے، فقہ اسلامی کی ایسی قانون سازی کی جائے جو دورِ حاضر کے تقاضوں اور چیلنجوں سے بخوبی عہدہ برا ہو سکے بلکہ وہ خود قوانینِ عالم کے لیے ایک کھلا ہوا چیلنج بن جائے۔

مراعاتِ الخلاف کی ضرورت و افادیت کو بھی بہرحال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ حق وصداقت کو کسی ایک ہی امام یا مجتہد کے اقوال و اعمال میں منحصر تصوّر کرتے ہیں وہ ان کے دفاع اور ان پر اعتراضات و جوابات میں مستغرق ہو کر کتاب وسنت سے غافل ہو چکے ہیں، انہیں اس جمود کی دلدل سے نکالنے کا آغاز بہرحال یہیں سے کرنا ہوگا۔

فہرست حوالہ جات

۱ ۔ القرآن الحکیم

۲ ۔ الإسلام وتقنین الأحکام فی البلاد السعودیہ: عبدالرحمٰن عبدالعزیز قاسم: مطبعۃ المدنی السعودیہ: ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶م

۳ ۔ اعلام الموقعین : ابن قیم : مطبعۃ دار السعادہ : مصر: ۱۳۷۴ھ ۔ ۱۹۵۵م ۔

۴ ۔ امداد الاحکام : مولانا ظفر احمد عثمانی : مکتبہ دار العلوم کراچی : کراچی : دت

۵ ۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد: ابن رشد : دار الکتب الحدیثۃ : قاہرہ : ۱۳۹۵ھ ، ۱۹۷۵م

۶ ۔ تاریخ الفقہ الاسلامی : د محمد یوسف موسیٰ : دار الکتب الحدیثۃ: مصر: ۱۳۷۸ھ ۔ ۱۹۵۸م

۷ ۔ تدوین فقہ : سید مناظر احسن گیلانی : مکتبہ رشیدیہ : لاہور: ۱۹۷۶م ۔ ۱۳۹۶ھ

۸ ۔ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزۃ : اشرف علی تھانویؒ : مطبع سعیدی : کراچی : ۱۳۸۳ھ ۔ ۱۹۶۳م

۹ ۔ خلاصۃ تاریخ التشریع الاسلامی : عبدالوہاب خلاف : دار القلم : کویت : ط ، ۹ ، ۱۳۹۱ھ ، ۱۹۷۱م

۱۰ ۔ ردالمحتار علی الدرالمختار : علامہ شامی : داراحیاء التراث العربی : بیروت : دت

۱۱ ۔ رسالۃ شرح المنظومہ فی رسم المفتی

۱۲ ۔ صحیح مسلم بشرح النووی: دار الاحیاء التراث العربی : بیروت : ۱۳۴۷ھ ۔ ۱۹۲۹م

۱۳ ۔ فتاویٰ رشیدیہ : مولانا رشید احمد گنگوہی : مطبع سعیدی : کراچی : دت

۱۴ ۔ الفواکۃ العدیدہ فی مسائل النفیدہ : الشیخ احمد المنقور النجدی : المکتب الاسلامی : دمشق : ط، ۷ : ۱۳۸۰ھ ۔ ج ۲

۱۵ ۔ لسان العرب : ابن منظور : دار الصادر : بیروت : دت : ج ۲

۱۶ ۔ مجموعہ بحوث فقہیہ : د ، عبدالکریم زیدان : مکتبۃ القدس : بغداد : ۱۳۹۶ھ ۔ ۱۹۷۶م

۱۷ ۔ الموافقات : الشاطبی : دار المعرفۃ : بیروت : دت : ج ۴

۱۸ ۔ المغنی : ابن قدامہ : مکتبۃ الرض الحدیثۃ : ریاض : دت : ج ۲ / ۷